ڈاکٹر محمد ساجد نظامی

استاد شعبۂ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

جنگ نامہ از: شمس الدین اخلاصی

Shams-u-din Ikhlasi was a considerable poet of Persian poetry in the early of the 20th century. His theme, style and language depict his coexistence. He is not as famous as other great poets but his poetry has same power of expression like other great poets. The aim of this research paper is to introduce the famous characteristics of Shams-u-din's poetry. This article represents a critical analysis only of his poetry book "Jang Nama Maroof ba Qasim Nama". His services towards poetry are worthy of attention.

فارسی مثنوی شعری روایت میں بلند مقام پر فائض رہی ہے۔ نثری ادب میں داستان گو جو مقاصد داستان سے حاصل کرتا ہے۔ وہی مقصد نظم میں مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ اس کا کینوس بہت وسیع ہے۔ اس لیے اس میں نہ تو موضوعات کے تعدد کی قید ہوتی ہے نہ واقعات و حکایات کے بیان کرنے میں مثنوی نگار پر کوئی حد لگائی جاتی ہے۔ قافیہ بندی میں بھی غزل اور دوسری اصناف جیسی پابندیاں اس میں نہیں۔ فارسی کی طرح اُردو میں بھی مثنوی نگاری کی روایت بڑی مضبوط رہی ہے۔ متعدد اساتذۂ فن نے اس کی تعریف اپنے اپنے انداز سے کی ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے مطابق مثنوی کی تعریف یہ ہے۔

> مثنوی فارسی اور اُردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ مثنوی میں دو دو مصرعے باہم مقفیٰ ہوتے ہیں یا یوں کہیے کہ ہر شعر بیتِ مصرع ہوتا ہے اور ہر شعر کے قافیے الگ ہوتے ہیں یعنی کوئی شعر قافیے کے اعتبار سے کسی دوسرے شعر یا مصرعے کا تابع نہیں ہوتا۔1

مثنوی کے موضوعات میں تنوع ہے۔ عشقیہ مثنویوں سے لے کر جنگ ناموں تک کی روایت موجود ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ، فلسفہ و تصوف، دین و اخلاقی موضوعات بھی اس صنف کا حصہ بنتے ہیں۔ فارسی میں رُودکی کو ہی پہلا مثنوی نگار گردانا جاتا ہے۔ رُودکی کے بعد عنصری، لبیبی، فردوسی، ابوشکور، نظامی کے علاوہ متعدد نام ملتے ہیں جنھوں نے مثنوی نگاری میں اپنا نام پیدا کیا ہے۔ فارسی زبان میں موضوع کے حوالے سے زیادہ تر چار قسم کی مثنویاں لکھی گئی۔ ان میں رزمیہ، بزمیہ، مذہب و اخلاق اور تصوف و فلسفہ پر لکھی گئیں مثنویاں شامل ہیں۔ اُردو میں ان اقسام کے علاوہ عشقیہ مثنویاں بھی بڑی تعداد میں لکھی گئیں۔

شمس الدین اخلاصی شمالی پنجاب کے علاقے اخلاص کا رہنے والا ہے جو ضلع اٹک کی تحصیل پنڈی گھیب کا ایک شہر ہے۔ شاعر نے مثنوی ''جنگ نامہ'' کے لیے فارسی زبان کا انتخاب کیا ہے۔ جب کہ اُس کی مادری زبان پنجابی ہے۔ زبان کے اس انتخاب سے ہمارے ہاں فارسی زبان کی پذیرائی اور قدردانی کی روایت کا پتا چلتا ہے۔ یہ مثنوی ''جنگ نامہ معروف

بہ قاسم نامہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ جنگ کا جو واقعہ اس مثنوی میں منظوم کیا گیا ہے۔ وہ میکی ڈھوک تحصیل فتح جنگ میں ۸۹۔۱۸۸۸ء میں رونما ہوا۔ یہ مثنوی ۱۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ۳۲۶۱ اشعار ہیں۔جن میں حمد و نعت کے علاوہ مولانا شمس الدین اخلاصی نے اپنے ہم عصر صوفیا کی مناقب بھی لکھی ہیں۔ان میں ایک صوفی بزرگ تونسہ مقدسہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے خواجہ اللہ بخش تونسوی اور دوسرے مکھڈ تحصیل جنڈ کے مولانا غلام محی الدین احمد شامل ہیں۔ دونوں بزرگ اپنے وقت کے جید عالم و صوفی تھے۔ان کے ہاں خانقاہوں میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ تھا۔اس مثنوی کو ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں مکمل کیا گیا۔شاعر مثنوی میں جا بجا اپنا تخلص اخلاصی لکھتا:

اخلاصی حمدیہ اشعار سے اس ''جنگ نامہ'' کا آغاز کرتا ہے۔

الٰہی رہِ کامرانے نما
درِ گلشنِ جاودانی کشا
ازاں راہِ گرداں دِلم شادماں
وزیں در بہ بر نامِ من در جہاں
دریں غم سرائے بے حدم درد مند
بہ انعام خود کن مرا سر بلند
زبانم رواں کُن بہ ذکرِ خودت
دِلم را بہ دہ شغلِ فکرِ خودت ۲

حمدیہ اشعار کے بعد نعتیہ قصائد میں محبت کے رنگ بکھیرے ہیں۔نعت کا موضوع خواجۂ ہر دوسرا سے محبت و عقیدت سے متعلقہ ہے۔مسلمان عشق رسول ﷺ کی شمع سے اپنی تاریک تر اندروں کو جلا بخشتا ہے۔شمس الدین اخلاصی بھی نعت کہتے ہوئے وارفتگی و دِل گرفتگی کی کیفیت میں ہیں۔ وہ حبیبِ خدا کے اوصافِ حمیدہ بیان کرتے ہوئے جھوم جھوم اُٹھتے ہیں ۔اور اُن کے لبوں پر یہ نغمہ یوں جاری ہوتا ہے۔

فرستادۂ مالکِ کُن فکاں
حبیبِ خدا شاہِ کون و مکاں
زرِ خالص از معدنِ کبریا
مسِ جملہ موجود را کیمیا
محمد کہ خورشید بینش بود
بہ سایہ درش آفرینش بود

شہِ دو جہاں خاتم المرسلیں

شفیع الامم اکرم العالمین

امام الہدیٰ سرورِ کائنات

طفیل آمدندش ہمہ ممکنات ۳

معروف محقق اور مخطوطہ شناس نذر صابری اس مثنوی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ ایک سادہ سا واقعہ ہے مگر اس میں کرداروں کی بھر مار ہے۔عورت کے بغیر اس قصہ کو دلچسپ بنانا بڑا مشکل کام تھا۔موقع کی مناسبت سے شاعر نے کافی حکایات کو بڑھا دیا ہے۔جو قصہ میں رنگ بھرتی ہیں اور داستان گوئی کے انداز کو تازہ رکھتی ہیں۔ان کی تعداد ۲۰ سے کم نہ ہوگی۔اور یہ حکایات ۳۰ صفحوں تک پھیلی ہوئی ہوں گی۔۴

اس قصہ میں صبرالی قوم کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔بل کہ پورا قصہ انھیں کے گرد گھومتا ہے۔صبرالی قوم کے جدّ اعلیٰ کا نام صابر تھا اسی مناسب سے اس قوم کو صبرالی کہا گیا۔یہ قوم کس علاقے میں بستی رہی۔اس بارے میں نذر صابری کا کہنا ہے۔

> معلوم ہوتا ہے صبرالی، صابر اور آل کی پیوندکاری ہے۔آلِ صابر کو اضافتِ مقلوب پہنائی ہے۔یہ خاندان میکی ڈھوک اور اخلاص میں آباد تھا۔اس کے جدّ امجد کا نام صابر تھا وہ بہت بڑے عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔اورنگ زیب واہ، حسن ابدال میں آیا تو اس کی ملکہ بری طرح بیمار ہوگئی۔ان کی شہرت اسے میکی ڈھوک، کھدوال لے گئی۔اسے شفا ہوئی تو اورنگ زیب واپسی پر کھدوال حاضر ہوا؛ اور جاگیر کی پیش کش کی۔مگر انھوں نے قبول نہیں کی۔تاہم اس خاندان کے کسی اور فرد نے اس فرمان کو سنبھال لیا۔اس میں لگان کی معافی کا اعلان تھا۔۵

اس قصہ میں رجال کے علاوہ اماکن کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ان میں زیادہ تر وہ شہر، قصبے اور گاؤں شامل ہیں جہاں شاعر خود جاتا رہا ہے۔جانے کے مقاصد مختلف رہے ہیں۔جن کی تفصیل اس مثنوی میں اپنے اپنے مقام پر دی گئی ہے۔جن اما کن کا ذکر اس مثنوی میں کیا گیا اُن میں کھدوال، صبرال، میکی ڈھوک، کھنڈا، مرجال، بہک نور احمد، ملال، چپڑہ، بندیال، ڈھرنال، ڈھلیاں، فتح جنگ، میرا، پڑی، پنڈی سرال، جبی، دومیل، مکھڈ، سیال، پنڈی، کامل پور، گولڑہ، پشاور، حسن ابدال ، واہ اور تونسہ مقدسہ کے نام شامل ہیں۔

شاعر قصہ شروع کرنے سے پہلے اپنے فکر وفن پر غور کرتا ہے کہ اس قصہ کو بیان کرنے سے پہلے میرے مشاغل کیا ہو ں۔قصہ گو ہوں کا انداز بھی سامنے ہو۔دنیاداری کی طمع بالکل نہ ہو۔قصہ کو پوری سچائی کے ساتھ بیان کیا جائے۔تاکہ دونو ں فریق جن کا اس ''جنگ نامہ'' میں تذکرہ ہے کسی ایک کو بھی واقعات کی سچائی میں شکوہ نہ ہو۔

میکی ڈھوک میں موجود درس گاہ کے منتظم اعلیٰ اور عالم یگانہ مولانا غلام یحییٰ وہاں موجود ہیں۔وہ یہ قصہ مولانا کی دِل داری کے لیے بھی لکھنا چاہتا ہے۔اور انھیں کے نام اُسے منسوب کرنا چاہتا ہے۔اُن سے داد کا بھی طلب گار ہے۔اگرچہ سا

بقہ تجربے کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میری قسمت نے کبھی یاوری نہ کی۔ لیکن پھر بھی شکوہ کی راہ کو چھوڑ کر شکر گزاری کو پسند کرتا ہے۔

نہ اقطاعِ خود گنج و مالش کنم
پئے ابر شفقت سوالش کنم
خیال ست کم در چنیں شیوہ راند
مگر با دماغم درستی نماند
کہ با بخت خود چوں نمایم نظر
نہم بید را بر امیدِ ثمر
بہ کارِ کہ پیوستہ آو یختم
بہ طمعِ ثمر را ریختم
نشد حاصل اِلّا کہ ناکامیم
خجالت بسے یا کہ بد نامیم
چو بخت آزمایش طراز آورم
کنوں ہر چہ امید ناز آورم
ہماں بہ کہ چارہ سگالش کنم
ز تقدیرِ یزداں نہ نالش کنم
بہ ہر چہ کہ از غیب یابد ظہور
رضا آورم ہم چو عبدِ شکور
بیا ساقیا از مئی سرخ فام
لبالب پئے تشنہ لب ساز جام
کہ شغلِ عالَم شوم بے خبر
زِ پندار خود ہم نمایم گذر۶

ان اشعار کے بعد شاعر داستان کا آغاز کر رہا ہے۔ آغاز ہی میں خاندان مولوی غلام یحییٰ کا تذکرہ کرتا ہے۔ نثری عنوانات میں بھی روانی و دل کشی اور معنویت پائی جاتی ہے۔ موضوعات کا تنوع ہے۔ اندازِ بیاں سے فکر کی جولانی اور فنی پختگی جھلکتی ہے۔ عنوانِ داستانِ مولوی غلام یحییٰ دیکھیے۔

آغازِ داستان در بیان خاندان مولوی غلام یحییٰ صاحب کہ دلش از پرتوِ نورِ عرفان روشن است وصاف وآثارِ کمالیتِ اوازقاف تا قاف وقصہ زمینش کہ اول کسے کہ برومہر معافی زدہ بودشاہ دہلوی اورنگ زیب بودوذکر بودہاخان کہ رئیس ملال بودوملازم اہلِ کمال ے

اس داستان میں ابتدائی اشعار افتتاحیہ بہاریہ انداز میں ہیں ۔آگے چل کر شاعر نے گریز کا پہلو نکالا ہے ۔اور قاری کو بہارِ بےخزاں ''مولانا غلام یحییٰ'' کی طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ علاقہ گھیبی میں ایک عالم کی طرف رجوع کریں جو اوصافِ حمیدہ کا منبع ہیں ۔

۲۰ویں صدی کی پہلی دہائی میں شمالی پنجاب کا یہ نوجوان شاعر وادیب نظم ونثر پر جودسترس رکھتا ہے۔ مثنوی کے اشعار اور نثری عنوانات اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ ۲۰ویں صدی کے آغاز میں شمالی پنجاب میں فارسی کی روایت زندہ وتابندہ ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ اب وہ اپنے اختتامی دور کی طرف رواں دواں ہے۔ فارسی کو زبانِ غیر کا درجہ دے کر جو ملک بدری کا عندیہ دیا گیا تو ہم اس کی جگہ کسی مقامی یا قومی زبان کو وہ مقام بھی نہ دلا سکے؛ جو فارسی کو ہندوستان میں حاصل تھا۔ ہم نے فارسی کی جگہ اُس زبان کو عطا کی جو واقعتاً زبانِ غیر تھی۔ لیکن فارسی کے مقابلے میں اس کا رسم الخط اور حروفِ تہجی سبھی کچھ تو مختلف تھا۔ فارسی اور ہمارے خطوں کی زبانوں میں جو میل اور آپس کا لگاؤ تھا وہ دو صدیاں گزرنے کے باوجود اس نئی نویلی زبان کو حاصل نہ ہو سکا اور نہ ہی وہ ہماری قومی زبان یا مقامی زبانوں سے کوئی جوڑ پیدا کر سکی۔ اتنا کر گزرنے کے باوجود یہ ہمارے نصاب اور سرکاری نمائندہ زبان ہے۔ اب ہندوستان میں فارسی کو زبانِ غیر کا درجہ مل چکا ہے۔ ہمارا شاعر اپنی شعری صلاحیتوں کا ذکر کرتا ہے۔ فارسی کے اساتذہ کے کلام کی طرز پر شاعری کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ان اشعار میں تعلّی کا عنصر نمایاں ہے لیکن فارسی واُردو شاعری میں شعرا کے ہاں ایسے اشعار اکثر مل جاتے ہیں؛ جن میں شاعر اپنی برتری کو مبالغے کے انداز میں بیان کرتا ہے۔

اگرچہ نیم سرورِ شاعراں
بہ حمداللہ ہم نام ، نام آوراں
بہ جامؔی اگر ہمسری نیستم
زِ ہم عہد ہم کمتری نیستم
نظامؔی چو گر دیدم آموزگار
بر اسلوبِ اُو چوں نہ بندم نگار
بہ ظاہر نیاید اگر در نظر
بہ باطن مرا ہست تعلیم گر

بہ یاد آورم از شوق چوں نامِ او
مرا ہر سرِ مُو شود شعر گوئی
مبیں سوئے آں گنجوی سرسری
کہ بنشاند نخلِ سخن پروری ۸

یہاں سے ایک حکایت کا آغاز کیا ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر جو حسینوں کا دِل دادہ ہے اور اُن کے دیدار کی ہوس رکھتا ہے۔ اُسے خبر پہنچتی ہے کہ حسن [حسن ابدال] کے قریب ایک شہر ہے۔ جو بہت خوبصورت اور پُر فضا مقام ہے۔ شاعر اس خطے کی توصیف اپنے اشعار میں یوں کرتا ہے۔

کہ در کا ترستاں بنزدِ حسن
بود شہرے آراستہ چوں چمن
چہ شہرے دِل آرائے مینو سرشت
کہ ہمتائے او نیست باغِ بہشت
زہے شہرِ واہا جنت نشاں
کہ زو بوئے شادی شمیدن تواں
فرح دادہ با قلب بیندگاں
ربودہ غمے از نشینندگاں
زِ شادی روان کساں جوئبار
درختانش از کام دِل بار دار
جمالش بروں از چگونہ بود
چو یوسف کشِ یک نمونہ بود
پُر از نار پستاں چو بستانِ نار
زقن سیبِ تازہ گلستاں عذار
ہم مہ جبیناں پری پیکراں
کہ دارند بر حورِ عیں سر گراں
مصفا تناں ہم چوں سیماب ناب
درخشندگاں چوں بلند آفتاب

سہی قامتاں سرو آزادہ دار
عجب سرو شاں از رطب بار دار ۹

اس کے بعد اورنگ زیب کی ملکہ کی بیماری اور شفایابی کا تذکرہ، بعدازاں بادشاہ کا واہ کے علاقہ سے کوچ اور علاقہ کھدوال (فتح جنگ) میں آمد کا تذکرہ ہے۔ وہاں جن بزرگوں کے پاس اُس نے حاضری دی۔ انھیں لگان کا معافی نامہ دیا۔ پھر رنجیت سنگھ کے دور کی شورشوں میں اُس معافی نامہ کی گم شدگی کا تذکرہ اور بودھا خان کی اولاد کی بے وفائی کا ذکر ہے۔ اسی کشمکش میں معاملات اُلجھتے ہیں۔ اور بہ نوبت آں جا رسید کہ میدانِ کارزار سجتا ہے۔ دونوں فریق جو میدانِ جنگ میں آمنے سامنے ہیں۔ اُن کی طبیعتوں کے اختلاف کے بابت شاعر نے یوں نقشہ کھینچا ہے۔

نہ بینی ببازار ایں چار سو
ہمہ مرداں را بیک رنگ و رو
یکے چوں فرشتہ دگر ہم چو دیو
یکے صلح جوید دگر مکر و ریو
چناں کامدہ شکل ہر یک دِگر
بہ سیرت نباشد یکساں مگر
بود شکل چوں لفظ معنیٰ درو
بود نیک و آہر منے خلق و خو
چو لفظ از دِگر لفظ گردد جدا
نہ آں یک مرادش بماند بجا ۱۰

مثنوی نگار واقعاتِ جنگ کو منظوم کرتے ہوئے واقعے کی مناسبت سے حکایات بھی بیان کرتا ہے۔ اُس زمانے میں رواج پذیر ظلم کی داستان کو شرح و بسط کے ساتھ لکھتا ہے۔ تھانہ کچہری کا کلچر ہمیشہ اپنی روایتوں کا امین رہا ہے۔ رشوت ستانی عام ہے۔ غریب و ناچار کی چارہ جوئی کرنے والا کوئی نہیں۔ کھدوالیوں اور ملالیوں نے تھانیدار کو خرید لیا ہے۔ علمی خانوادے کے دونوں بھائیوں کو قید کر کے ''کالا پانی'' بھیج دیا گیا ہے۔ شاعر کا دِل ان سب واقعات سے بہت مغموم ہے۔ وہ انصاف کے لیے ہر دروازے پر جا کر صدا لگا رہا۔ خانقاہوں اور مساجد میں مناجات کا سلسلہ جاری ہے۔ عدالتوں میں انصاف کے لیے زنجیر ہلائی جا رہی ہے لیکن کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ اسی تگ و دو میں شاعر سیال شریف کے دُور دراز سفر پر بھی نکلتا ہے۔ وہ اس سفر کے دوران کئی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ پھر گولڑہ شریف بھی آتا ہے تاکہ سید مہر علی شاہؒ سے سیٹھی کریم کے نام خط لکھوا سکے؛ اور دونوں بے گناہ بھائیوں کی ''کالا پانی'' سے رہائی کے معاملے میں مدد ہو سکے۔ مکھڈ، میرا اور دیگر جگہوں پر وہ صرف اسی مقصد کے لیے جاتا ہے کہ کہیں کوئی قیدیوں کی رہائی کی صورت نکلے۔ شاعر اپنی مناجات

کے لیے الگ باب باندھتا ہے۔

دست مناجات بہ جنابِ قاضی الحاجات افراشتن ونجات اسیراں وآبادیٔ خانۂ ویراں طلب داشتن

الٰہی بہ ذاتِ کریم و رحیم
بہ لطفِ قدیم و نعیمِ عمیم
بہ ختمِ رسولاں نبی مصطفیٰ
بہ تاجِ ولیّاں علی مرتضیٰ ۱۱

مناجات میں سلسلہ چشتیہ کے بیان کے بعد دو بھائیوں کی رہائی کا سوال کیا ہے۔اور اپنے رب سے اجابت کا طلب گار ہے۔

کہ گرداں اجابت دعائے مرا
کہ جز تو نہ حاجت روائے مرا
بہ عالی جنابت نمودم دُعا
دو اخوان آں مولوی کُن رہا
زِ بندِ گراں ہر دو را کُن خلاص
زِ خوانِ کرم کُن نصیبِ دو خاص
مصیبت بسے از زماں دیدہ اند
بسے آزمایش گراں دیدہ اند
بسے ماندگاں از وطن دور تر
زِ اولاد و احباب مہجور تر
اگر جرم داراں تو آمرزگار
وگر بے گناہ رحمت بے شمار
زِ دریائے رحمت یکے آب دہ
بہ ایشاں توانائی و تاب دہ
بیا ساقی از عمرِ بسیار رفت
زِ بسیارِ غم سینہ بسیار رفت

رساں از کرم نوبتِ نام من
یکے جامِ مے ریز در کامِ من
کہ تا بستہ غم را بساط آورم
کشادہ بساطِ نشاط آورم ۱۲

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں شاعر کی عمر ۲۵ سال ہے۔ وہ تین سال مولانا صابر میکی ڈھوک والے کی خدمت میں رہ کر علومِ دینیہ سیکھتا ہے۔ دو سال مگھیاں، نزد پنڈی گھیب میں گزارتا ہے۔ یہاں بھی رہنے کا مقصد حصولِ علم ہے۔ بعد ازاں دو سال اپنے شہر اخلاص، پنڈی گھیب میں ٹھہرتا ہے۔ پھر پشاور چلا جاتا ہے۔ وہاں علمِ حدیث کے درس میں شامل ہوتا ہے۔ حصولِ علم کے ساتھ ساتھ پشاور کے قیام کے دوران وہ ''نخبۃ الفکر'' کی منظوم شرح بھی لکھتا ہے۔ پھر سیر و سیاحت کے لیے سوات کا رُخ کرتا ہے۔ یہاں ''درگئی'' میں ایک مدت تک ٹھہرتا ہے۔

سفر بعد ازاں کردہ سالے تمام
شہ شہرِ پشاور گرفتم قیام
زِ اقبال نیک اختر آمد و فاق
بہ شغلِ احادیث شد اتفاق
پئے شرحِ نخبہ چو کوشاں شدم
برو حلۂ نظم پوشاں شدم
ازاں پس سیر جہات آمدم
در اطراف ملکِ سوات آمدم ۱۳

اُسے اس بات کا افسوس ہے کہ مولوی یحیٰی صاحب کا وصال ہو چکا ہے۔ اب اُس کے اِس کام یعنی شاعری کی قدر دانی کون کرے گا۔ شاید اس کے کلام پر گمنامی کی دبیز تہہ چڑھ جائے گی اور وقت اُسے بھلا دے گا۔ جب اُسے صابر و قاسم کی رہائی کی خبر پہنچتی ہے تو پھر ایک موہوم سی خواہش جاگ اُٹھتی ہے اور وہ اپنی کتاب کو یاد کرتا ہے۔

زِ شادی تہی ساختم سر زِ خواب
بہ یاد آمد آں نا تمام کتاب
پئے جمع مُسودہائے کہن
قلم آمدہ تیز تر کار کن
بسے جا سخن زائدہ نیز راند

بسے گفتنی ہا زِ تعجیل ماند
خدایم چو توفیقِ اتمام داد
خرد نامۂ قاسمش نام داد
کہ ہنگامِ تحقیق حکّامِ او
مثل یاد کردند بر نامِ او
دریغا گو اکنوں بدے مولوی
بہ محفل دو چنداں رسیدے نوی ۱۴

اس مثنوی کے اختتامی اشعار بھی کیفیتِ انتظار کو بیان کر رہے ہیں۔''کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک''۔عجب اتفاق دیکھیے کہ ۱۳۲۶ھ میں لکھی جانے والی مثنوی ایک صدی بعد منظرِ عام پر آتی ہے۔اس کا اصل مخطوطہ میکی ڈھوک کے قدیمی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔جو آج کل مولانا غلام یحییٰ کے خانوادے میں سے مولانا عبدالصبور چشتی کے پاس ہے۔اسی خطی نسخے کا ایک عکس راقم نے ۱۴۲۶ھ کو حاصل کیا تھا جو کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

شاعر کی شدید خواہش رہی کہ یہ مثنوی جلد شائع ہو کر اہلِ نقد ونظر سے داد وصول کرے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔اس کی کئی وجوہات رہیں۔دو بڑی وجوہات جن کا ذکر شاعر نے بھی اپنے کلام میں کیا ہے۔اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مولانا غلام یحییٰ جلد رحلت فرما گئے۔دوسرا آپ کے دونوں بھائی صابر و قاسم ایک مدت تک ''کالا پانی'' میں قید رہے۔چوں کہ مثنوی میں قصہ انھیں شخصیات، ان کے خاندان اور اُن کے اسلاف کے قائم کردہ علمی مرکز کے احوال پر مشتمل ہے اس لیے جتنی دل چسپی اس خانوادے کو اس کی اشاعت میں ہو سکتی تھی کسی اور کو نہیں۔مخطوطہ شناس نذر صابری بھی اس کی اشاعت میں تاخیر کی چند وجوہ بیان کرتے ہیں۔

> آخر میں شاعر قدرتی طور پر چاہتا ہے کہ اس کا یہ کام جس پر اتنی کاوش کی گئی ہے، زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مثنوی شائع نہیں ہوئی شاید اس لیے کہ فارسی میں ہے اور فارسی اپنا رواج کھو بیٹھی ہے۔شاید اس لیے کہ اشعار کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس پر صرفِ کثیر اٹھتا ہے جو بس سے باہر ہے۔شاید اس لیے یہ ایک محدود دلچسپی کی چیز ہے شاید اس لیے کہ اس کے ذریعہ ایک گروہ کی مکروریا سامنے آتی ہے اور ان کے مظالم کی داستاں صفحۂ ہستی پر یادگار بن کر رہ جائے گی۔خاص کر جب کہ یہ جاگیردار بعد میں اپنی کرتوت پر شرمایا اور پچھتایا ہے یا شاید کوئی اور وجہ ہو جو ہمارے لیے ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہے۔۱۵

یہ مثنوی ۱۱۴ سال بعد منظرِ عام پر آ رہی ہے۔نذر صابری مرحوم نے ۲۰۰۵ء میں اس کا اُردو ملخص بھی تیار کیا تھا جو اُردو داں طبقے کے لیے خاصے کی چیز ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص۱۶۷

۲۔ شمس الدین اخلاصی، جنگ نامہ معروف بہ قاسم نامہ، مخزونہ کتب خانہ میکی ڈھوک، فتح جنگ (اٹک)، ۱۳۲۶ھ، ص۲

۳۔ ایضاً، ص۱۰۔۱۱

۴۔ نذر صابری، جنگ نامہ : ایک تعارف، مخطوطہ، مخزونہ خالد رضا، اٹک، ۲۰۰۵ء، ص۳۲ ب

۵۔ ایضاً، ص۳۶ ب

۶۔ شمس الدین اخلاصی، جنگ نامہ معروف بہ قاسم نامہ، ص۳۳۔۳۴

۷۔ ایضاً، ص۳۴

۸۔ ایضاً، ص۲۹

۹۔ ایضاً، ص۹۳

۱۰۔ ایضاً، ص۱۰۰

۱۱۔ ایضاً، ص۱۹۱

۱۲۔ ایضاً، ص۱۹۲۔۱۹۳

۱۳۔ ایضاً، ص۱۹۶

۱۴۔ ایضاً، ص۱۹۶

۱۵۔ نذر صابری، جنگ نامہ : ایک تعارف، ص۳۲

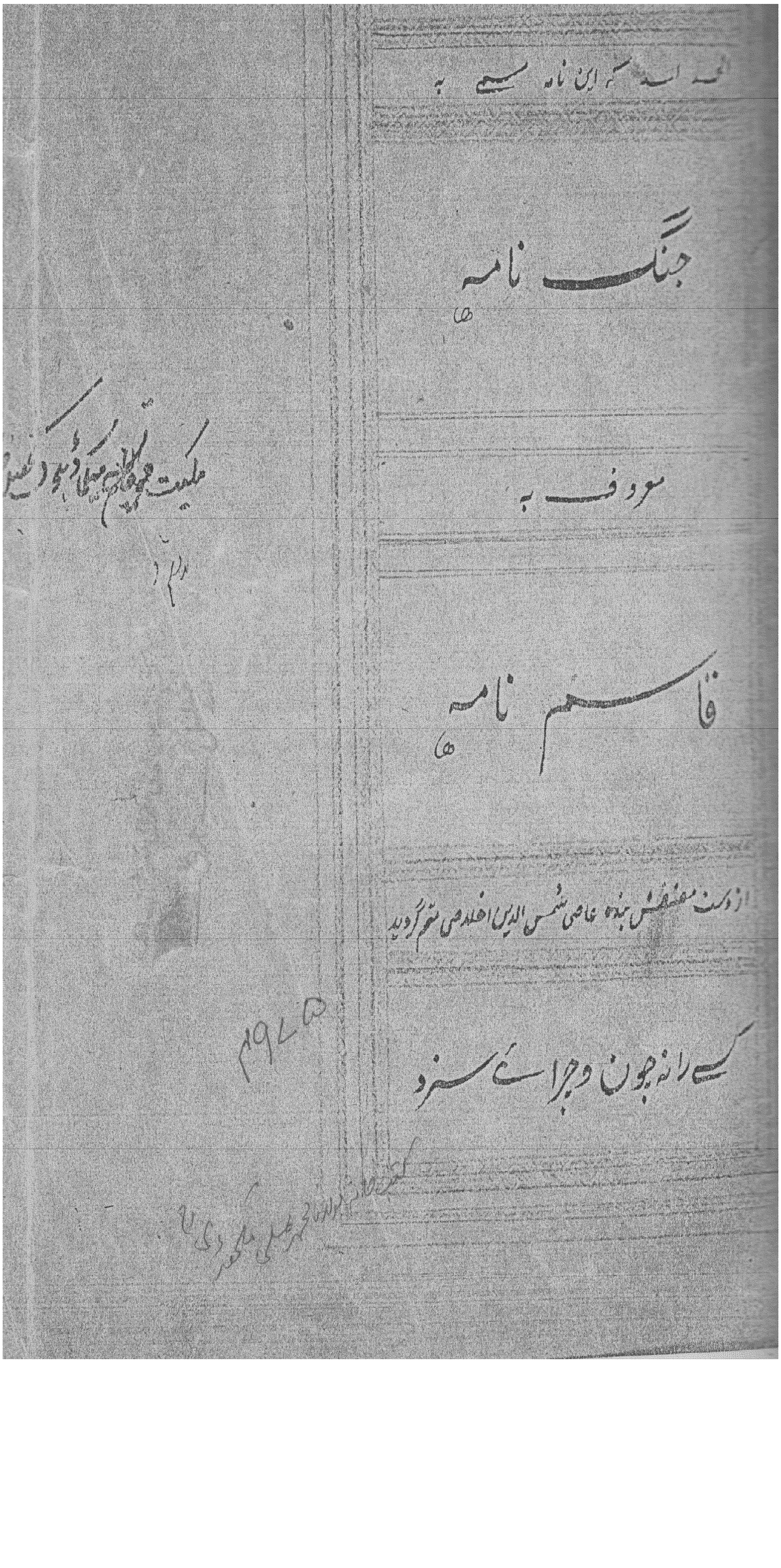

الحمد لله که این نامه مسمی به

جنگ نامه

معروف به

قاسم نامه

از دست مصنف بنده عاصی شمس الدین اخلاصی تمام گردید

کسی را نه چون و چرا می سزد

٢

بسم الله الرحمن الرحیم

الهی ره کامرانی نما	در گلشن جاودانی گشا
از آن راه گردان دلم شادمان	وزین در به بر نام من در جهان
در این غم سرا بیدم دردمند	بانعام خود کن مرا سربلند
زبانم روان کن بذکر خودت	دلم را بده شغل فکر خودت
ز تفهیم فکر و کمالی هشم	نصیبی عطا کن که افشانده شم
جهان بخته تو سلو پرواز کن	که افشانده قبول جهانم سخن
که تا من ربایم درین داورست	دل از خلق عالم با فسونگری
جهان خفته را در خروش آورم	ز هر جانب آهنگ گوشش آورم

۱۹۸

بگو انتظاری کشم تا بچند | لگامم زنی ریز قطرات چند

که چالاک تر گردم و نوجوان | براه تو چالاک گردم دوان

الحمد لله که بعون و عنایتش کتاب مسمی به جنگ نامه

معروف به قاسمنامه از دست عبده العاصی

شمس الدین الاخلاصی در شب پنجشنبه بتاریخ

۱۴ ذی الحجه سنه ۱۳۲۶ ه

باتمام رسید

کتب خانه مولانا محمد علی مکھڈی مکھڈ شریف (اٹک)
عدد مسلسل ____ تاریخ

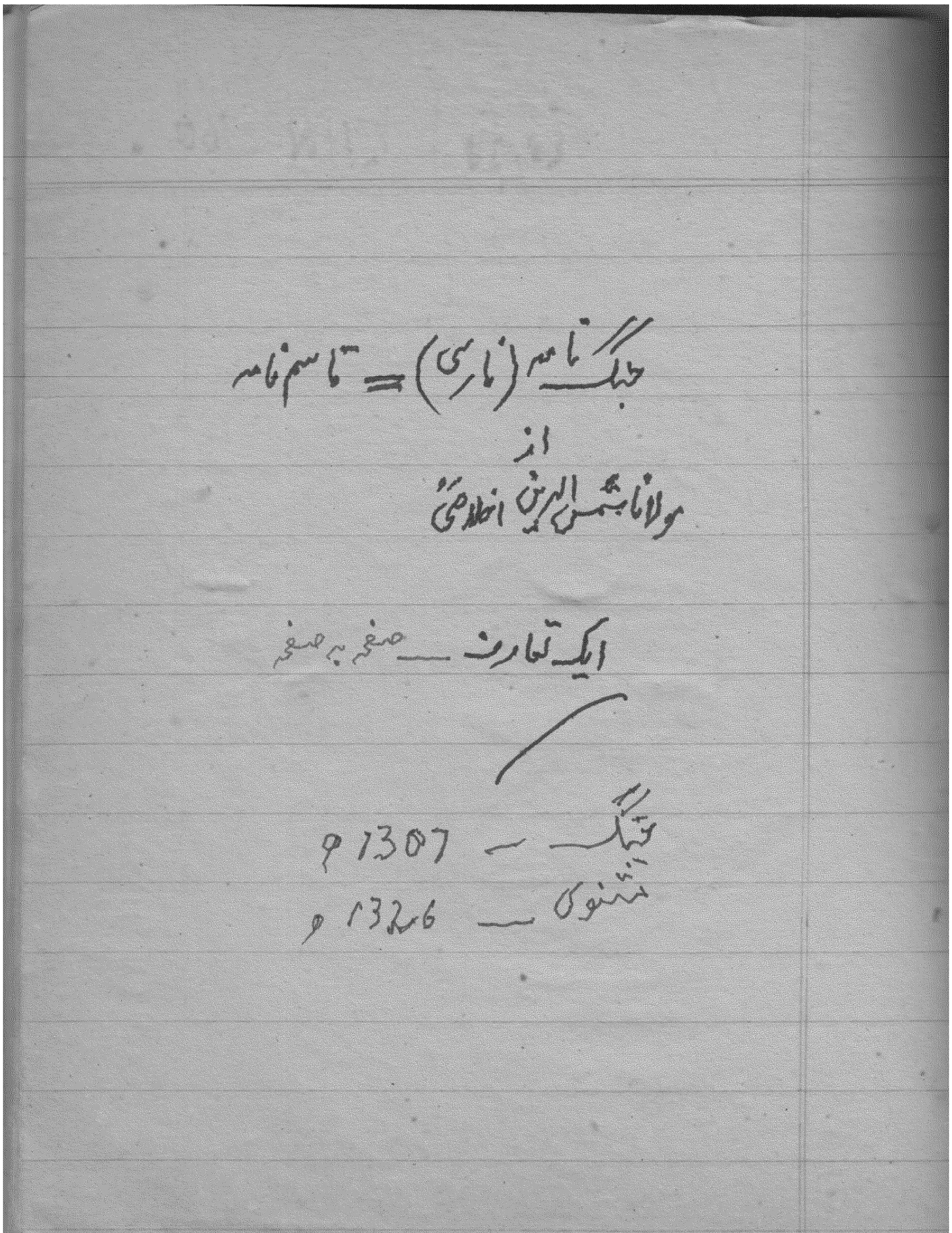

جنگ نامہ (فارسی) = قاسم نامہ

از

مولانا شمس الدین اصلاحیؒ

ایک تعارف — صفحہ بہ صفحہ

جنگ — 1307ء

مثنوی — 1326ء

۳ 4 شعر کے ذریعہ شہرت پسند کرتے ہیں اور خدا سے توفیق طلب کرتے ہیں۔

۳ 5 ناقدرانِ سخن سے داد خواہ ہے اور اپنے اشعار کو لعل و گہر کہتا ہے اور حاسدوں کی نظر سے خائف ہے۔ اپنے طرز و انداز اور فن شعر کی بات کہتا ہے، چاہتا ہے کہ کوئی ایسا ہو جو اس کی ملاقات سے سرفراز ہو اور عالم میں اس کے نام کا شہرہ ہو۔ پھر آخر میں خدا کا شکر شروع کرتا ہے

۳ 4 خدا کی ذات و صفات پر خوبصورت گفتگو کی ہے۔ عمدہ اشعار ہیں۔ عمدہ باقاعدہ زبان میں ہیں جس کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ یقیناً وہ غیر معمولی استعداد کا مالک نوجوان ہے۔

۳ 5 تخلیقِ عالم کا ذکر ہے اور ہر مسجودِ ملائک کی بات کہی ہے

۳ 6 پھر اس کی قدرت کی نیرنگیوں اور بوالعجبیوں کا ذکر کیا ہے۔ تضادات سے اس گلشنِ زندگی کی نمود کہی ہے۔

۳ 7 صانع کو مصنوعات سے پہچانو۔ عمارت سے معمار کو جانو۔ پھر اس کے خوانِ نعمت کا ذکر کیا ہے جس پر تمام خلق ریزہ خوار ہے۔ پھر اس کی نعمتیں لاتعد و لاتحصیٰ ہیں۔ اس کی نعمتوں کے شکر سے عاجز ہے۔

۱۲ اشعار خوشنما ہیں

۳ 8 قاضی الحاجات کے حضور مناجات ہے۔ اپنے پیر خدا کے کرم کا ذکر کیا ہے پھر نفس و شیطان کی فتنہ گری اور اپنی بار بار توبہ شکنی اور عصیاں آلودگی کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنی روز روز کی توبہ اور توبہ شکنی پر غصہ اور تأسف کا اظہار کیا ہے۔

۳ 9 سارا شعر اس مضمون سے پُر ہے۔ اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار ہے اور گناہ کے صدور کو اپنی فطرت کا خاصہ اور اس کی آمرزش کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

۳ 10 پھر اپنی حاجات کو اس کے دروازہ پر لے جاتا ہے رقت سے کہتا ہے میرے غمگسار تو ہے اور دیکھو میرے اقربا کو میرے مرنے پر دلشاد دیکھو۔ جب کوئی پیمانہ مجھ پر روئے تو مجھے اس پر خندہ زن کرنا۔ اس دور دراز سفر پر تیری رحمت ہی میرا زادِ راہ ہوگی۔ پھر آخر میں نعت کی طرف آتا ہے۔